40

بیشک دنیا کماؤ لیکن دین کو بھی نظر انداز نہ کرو بلکہ ہمیشہ اس کو دنیا پر مقدم رکھو

(فرمودہ 31 دسمبر 1954ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ اِس سال کا جلسہ سالانہ خیریت سے گزر گیا ہے۔ آنے والے آئے اور کچھ دن یہاں گزار کے چلے بھی گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے خدا تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی نظر میں آئے اور کتنے خدا تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی نظر میں باوجود جسمانی طور پر یہاں آنے کے پھر بھی نہیں آئے۔ جب سے دنیا کی تاریخ شروع ہوئی ہے اور جب سے آدم کی اولاد دنیا میں پھیلی ہے اُس وقت سے ایک بات انسان میں نظر آتی ہے کہ اِس کی حالت اپنے ماحول کے اثر کے نیچے بدلتی رہتی ہے۔ دلیلیں وہی ہوتی ہیں، براہین وہی ہوتے ہیں لیکن ان کے نتائج کسی اَور رنگ میں نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت جو آدم کے زمانہ میں تھے وہی اب بھی ہیں۔ آدم کے وقت میں جو انبیاء کی سچائی کے ثبوت تھے وہی ثبوت اب بھی ہیں۔ آدم کے زمانہ میں بعث بعد الموت کے

جو دلائل تھے وہی دلائل اب بھی ہیں۔خداتعالیٰ بھی نہیں بدلا، رسالت بھی نہیں بدلی، مابعدالموت بعثت کے متعلق بھی کوئی نئی شکل پیدا نہیں ہوئی مگر باوجود اِس کے دنیا پر یہ دَور آتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ کبھی لوگ ماننے لگ جاتے ہیں اور کبھی منہ پھیر لیتے ہیں، کبھی انہیں کسی رسول پر ایمان لانے کی توفیق ملتی ہے اور کبھی اس پر ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی، کبھی انہیں موت کے بعد کی زندگی پر یقین ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اگر ان کے دلائل اور براہین بدلتے، تو ہم کہتے کہ دلائل اور براہین کے بدلنے سے ان کی حالت بدل گئی ہے۔ لیکن دلائل وہی نظر آتے ہیں جو پہلے تھے۔ یہ کہ کسی زمانہ میں کسی مامور کے ذریعہ خداتعالیٰ کے بعض نشانات ظاہر ہوئے تو یہ اَور بات ہے۔ آدم کے زمانہ سے زمانہ کے حالات کے مطابق نشانات بدلتے رہے ہیں۔ اگر کسی وقت کسی نبی نے اپنے بیٹے کی پیدائش کی یا اپنی جماعت کی ہجرت کی خبر دی ہے اور یہ خداتعالیٰ کی ہستی پر دلالت کرنے والا ایک نشان بن گیا تو یہ نشان بہرحال ایک نشان ہی ہے لیکن خداتعالیٰ کی توحید کے جو دلائل پہلے تھے وہی اب بھی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی نے زبان کے محاورہ کے مطابق یا اُس زمانہ کے لوگوں کے خیالات کے مطابق انہیں کسی اَور رنگ میں بیان کر دیا لیکن مغزِ تقریر یہ ہے کہ خدا ایک ہے، اُس کے سوا اَور کوئی معبود نہیں۔ اب ایک ہی قسم کے دلائل کے ہوتے ہوئے جو زمانہ بدلتا رہتا ہے تو اِس کے صاف معنے یہ ہیں کہ انسان اپنے ماحول سے متأثر ہوتا ہے۔ اور جب ماحول میں بھی ایک تأثیر ہوتی ہے تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کونسا ماحول ہوتا ہے جس سے انسان متأثر ہوتا ہے۔

اگر کوئی نبی دنیا میں آتا ہے اور وہ ایک نئی جماعت پیدا کر جاتا ہے، وہ لوگوں میں خداتعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا کر جاتا ہے یا بعث بعدالموت پر یقین پیدا کر جاتا ہے اور ساری قوم ایک رنگ میں رنگین ہو جاتی ہے تو پھر وہ کون سا ماحول ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں ایمانوں میں کمزوری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔اگر یہ ہوتا کہ وہ ایک ملک میں ہوتا تو اَور حالت ہوتی اور دوسرے ملک میں ہوتا تو اَور حالت ہوتی، تو ہم کہتے ملکی یا قومی ماحول بدل گیا ہے لیکن واقع یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی ماحول تھا۔ وہی آپ کے صحابہؓ کو ملا، پھر تابعین ہوئے اور پھر تبع تابعین ہوئے مگر جو یقین صحابہؓ کو حاصل تھا وہ تابعین اور

تبع تابعین کو حاصل نہ تھا۔ اِس سے پتا لگتا ہے کہ ماحول جو بدلتا ہے وہ زیادہ تر اقتصاری بناء پر بدلتا ہے۔

ہمیں یہ چیز ہر نبی کے زمانہ میں نظر آتی ہے کہ اس کی جماعت میں آہستہ آہستہ ترفّہ اور مالی ترقی پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ چیز لازمی نظر آتی ہے کہ ظاہری اموال اور دولت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایمان کم ہوتا جاتا ہے۔ جب تک اموال کی زیادتی نہیں ہوتی اُس وقت تک ایمان باقی رہتا ہے اور جوں جوں ترفّہ اور مالی ترقی آتی جاتی ہے ایمان کمزور ہوتا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یا تو ہم یہ سمجھیں کہ جب کسی نبی کے اردگرد غرباء اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ اِس خیال سے جمع ہوتے ہیں کہ اس کے ماننے سے انہیں دنیا ملے گی۔ جیسے ہندوؤں اور یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ نبی کا سب سے بڑا کام اور پیغام یہی ہوتا ہے کہ اُس کے ماننے سے لوگوں کو دنیا ملتی ہے۔ یہودیوں کی کتابوں میں مرنے کے بعد کی زندگی کا بہت کم ذکر ہے۔ یہی حال ہندو کتابوں کا ہے۔ ہندو سمجھتے ہیں کہ نبی آنے کے نتائج دنیوی ترقی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب اُن کی کتابوں میں یہ چیز موجود ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی نبی دنیا میں آتا ہے تو اُس کے ماننے سے لوگوں کو دنیا ملتی ہے تو وہ اُسے مانتے ہی اِس لیے ہیں۔ لیکن بعض قومیں ایسی بھی ہیں جن میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ مثلاً عیسائی ہیں ان کی کتابوں میں مابعدالموت زندگی پر یہود سے زیادہ زور ہے، زرتشتیوں میں بھی اِس پر یہودیوں سے زیادہ زور ہے، اسلام کے زمانہ میں انسانوں کی کمزوری دیکھ کر خداتعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے یہ تدبیر کی کہ قرآن کریم میں اگلے جہان کی ترقی کے الفاظ سے اسی دنیا کی ترقی کی خبر دی گئی اور اِسی لیے عیسائیوں نے قرآن کریم پر یہ الزام لگایا ہے کہ قرآن کریم میں کوئی نشان نہیں پایا جاتا۔ درحقیقت قرآن کریم میں جو دنیوی فتوحات کا ذکر آتا ہے وہ بھی اگلے جہان کے انعامات کے ذکر میں آتا ہے۔ یعنی مراد اس سے فلسطین اور مصر کی فتوحات ہوتی ہیں لیکن الفاظ اِس قسم کے استعمال کیے جاتے ہیں جو اگلے جہان پر دلالت کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے خداتعالیٰ کا لوگوں کو یہ ہدایت دینا مقصود ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا اصل مقصود اگلا جہان ہے۔ لیکن بعض لوگ اِس رَو میں بہہ گئے کہ انہیں دنیوی ترقیات مل جائیں۔ صحابہؓ کے بعد جو جماعت آئی اُن کا بڑا کام یہی نظر آتا ہے کہ انہیں کوئی دنیوی فتح مل جائے یا کرنیلی اور جرنیلی مل جائے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آیا۔ آپ نے بھی قرآنی اصطلاح میں یہ اقرار لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدّم کروں گا۔ اِس پر لوگ آپ کی بیعت کرنے لگے۔ لیکن آپ کی جماعت کا بھی وہی حال ہے جو پہلے انبیاء کی جماعتوں کا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ سب باتیں مِٹتی جاتی ہیں جن پر ابتدا میں زور دیا جاتا تھا۔ ابتدا میں استغفار، ذکرِالٰہی اور عبادت پر زور تھا لیکن اب اِس بات کو بڑا سمجھا جاتا ہے کہ فلاں جرنیل بن گیا ہے، فلاں کرنیل بن گیا ہے، فلاں حکومت کا سیکرٹری بن گیا ہے۔ اور جو شخص جرنیل یا کرنیل بن جاتا ہے جماعت سمجھتی ہے کہ وہی زیادہ معزز ہے۔ اور جو شخص عبادت گزار ہوتا ہے اُس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص دماغی طور پر کمزور تھا اِس لیے کوئی بڑا عہدہ حاصل نہیں کر سکا۔ اب یہ اپنا دل خوش کرنے کے لیے عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ غرض جوں جوں جماعت کو دنیوی ترقیات مل رہی ہیں دین کی عظمت کم ہوتی جاتی ہے۔

ہم یہ دعا بھی نہیں کر سکتے کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو دنیوی ترقیات نہ دے کیونکہ اُس کا جماعت سے وعدہ ہے کہ وہ اسے دنیوی ترقیات بھی دے گا۔ لیکن جس چیز کا وعدہ ہے وہ یہ ہے کہ تم یہ دنیوی ترقیات خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے لو، دنیا کے ہاتھ سے نہ لو۔ لیکن میں یہ بات دیکھتا ہوں کہ اِس زمانہ میں جب دنیا کی زندگی پر ساتواں ہزار سال جا رہا ہے یا سائنس دانوں کے اندازہ کے مطابق اِس پر چھ یا سات اربواں سال جا رہا ہے دنیا اُسی مقام پر کھڑی ہے جس پر پہلے تھی۔ چھ ہزار سال یا چھ ارب یا سات ارب سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ آدمی ایک کام ایک گھنٹہ میں سیکھتا ہے، ایک کام چھ گھنٹے میں سیکھتا ہے، ایک کام چھ ماہ میں سیکھتا ہے، ایک کام چھ سال میں سیکھتا ہے لیکن دنیا میں ایسی کوئی پڑھائی نہیں جو چھ ہزار سال تک چلی جائے۔ عام طور پر ایم۔اے تعلیم کا آخری درجہ ہے اور اسے ہمارے ہاں سولھویں جماعت کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا ایم۔اے میں تعلیم حاصل کر رہا ہو تو اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سولھویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ گویا ایک شخص ایم۔اے بھی جو عام طور پر تعلیم کا آخری درجہ ہے سولہ سال میں پاس کر لیتا ہے لیکن بنی نوع انسان نے یہ سبق چھ ہزار سال میں بھی نہیں سیکھا۔ ہمیں اِس پر غور کرنا چاہیے اور اِس کی کُنہہ کو معلوم کرنا چاہیے کہ اِس بیماری کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔ دنیا

بڑی بڑی ایجادوں میں لگی ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں نے بڑے بڑے تجربات کے بعد سلفونامائیڈ پنسلین (Sulphonamide Penicillin)، کلورومائسین (Chloromycetin) اور اِسی قسم کی دوائیں ایجاد کر لی ہیں۔ اِسی طرح ہر فن کے لوگ اپنے اپنے فن میں نئی ایجادیں کرنے میں مشغول ہیں۔ روحانی لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس بیماری کی کُنہہ کو معلوم کریں اور اسے پکڑنے کی کوشش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی حرکات سے خیالات بدلتے جاتے ہوں۔ جیسے ریل کے کانٹے بدلتے ہیں، ریل یکدم چکر نہیں کاٹ جاتی بلکہ آہستہ آہستہ چکر کاٹتی ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے کانٹے ایک تغیر پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر دنیوی لوگوں نے اِس قسم کی ایجادیں کی ہوئی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مذہبی لوگ اپنے آپ کو اِس طور پر نہ لگائیں کہ وہ انسانی دماغ کے کانٹے کو معلوم کریں۔ اِس کے بعد نوجوانوں کو تحریک کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس رنگ میں ڈھال لیں اور والدین کو تحریک کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اِس طرح تربیت کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک صوفی کا یہ قول بہت پسند ہے کہ

دست درکار دل بایار

یعنی اصل حقیقت یہی ہے کہ انسان دنیا کے کام بھی کرے اور خداتعالیٰ کو بھی یاد رکھے۔ لیکن یہاں یہ حال ہے کہ دست درکار ہوا تو دل یار سے جُدا ہوگیا۔ دنیا کے نزدیک یہ چیز چاہے کتنی اچھی ہو دین کے لحاظ سے یہ چیز اچھی نہیں۔ پرانے لوگوں میں سے بعض نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دست درکار نہیں ہونا چاہیے۔ اِس وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی کو نہایت ذلیل بنا لیا۔ اور بعض نے یہ سمجھ لیا کہ دل بایار نہیں ہونا چاہیے صرف دست درکار ہونا کافی ہے۔ پس دنیا میں دو کیمپ بن گئے۔ جس طرح اِس وقت سیاسی لحاظ سے دو کیمپ ہیں ایسٹرن اور ویسٹرن۔ اِسی طرح مذہبی لحاظ سے بھی دو کیمپ ہیں۔ ایک کیمپ والے دین کو بیکار سمجھتے ہیں اور دوسرے کیمپ والے دنیا کو بیکار سمجھتے ہیں حالانکہ صداقت ان کے درمیان درمیان تھی۔ صداقت یہ تھی کہ دین کے ساتھ ساتھ دنیا بھی کمائی جائے۔

دنیا سے بالکل منہ نہ موڑ لیا جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ ایک فریق تو خالص دنیا ساتھ لے گیا اور ایک فریق نے خالص دین لے لیا اور انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ اگر دنیا میں خالص دین ہوتا تو خداتعالیٰ یہ کیوں فرماتا کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا 1 کہ جو شخص استطاعت رکھے وہ حج کرے۔ پھر زکوٰۃ کے متعلق کیوں فرمایا کہ جس شخص کے پاس اس قدر رقم ہو وہ زکوٰۃ دے۔ پھر یہ کیوں کہا کہ اگر تمہارے پاس مال ہو تو تم جہاد اور غریبوں کی ترقی کے لیے خرچ کرو۔ دراصل خداتعالیٰ اِس قسم کے احکام دے کر اِس طرف اشارہ کرتا ہے کہ تم دین کے ساتھ ساتھ اپنے پاس مال بھی رکھو۔ پھر اگر خداتعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ صرف دین لیا جائے، دنیا سے منہ موڑ لیا جائے تو وہ یہ کیوں فرماتا کہ اگر تم نے عورتوں کو ڈھیروں ڈھیر سونا بھی دیا ہو تو اُن سے واپس نہ لو۔2 اگر مال اپنے پاس رکھنا ہی نہیں تو دینا کہاں سے ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں خداتعالیٰ نے لوگوں کے لیے نمونہ کے طور پر پیدا کیا ہوتا ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی سنا ہے کہ کسی نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ کتنے روپوں پر زکوٰۃ فرض ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے لیے یہ مسئلہ ہے کہ تم چالیس روپیہ میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دو۔ اُس نے کہا ''تمہارے لیے'' کا کیا مطلب ہے؟ کیا زکوٰۃ کا مسئلہ بدلتا رہتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں تمہارے پاس چالیس روپے ہوں تو اُن میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دینا تمہارے لیے ضروری ہے۔ لیکن اگر میرے پاس چالیس روپے ہوں تو مجھ پر اکتالیس روپے دینے لازم ہیں۔ کیونکہ تمہارا مقام ایسا ہے کہ خداتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم کماؤ اور کھاؤ لیکن مجھے وہ مقام دیا ہے کہ میرے اخراجات کا وہ آپ کفیل ہے۔ اگر بیوقوفی سے میں چالیس روپے جمع کر لوں تو میں وہ چالیس روپے بھی دوں گا اور ایک روپیہ جُرمانہ بھی دوں گا۔ غرض بعض لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ صرف دین کی طرف اپنی توجہ رکھیں لیکن باقی سب دنیا کا یہی مقام ہے کہ وہ دنیا کمائیں اور اپنے وقت کا کچھ حصہ مناسب نسبت کے ساتھ عبادت اور دین کے کاموں میں بھی لگائیں۔ وہ ذکرِ الٰہی کریں، وظائف کریں، تہجد پڑھیں، استغفار اور دعاؤں سے کام لیں۔ پس جماعت کو چاہیے کہ وہ ان باتوں کی طرف بھی توجہ رکھے۔

ابھی وہ زمانہ ہے جبکہ ہماری باگیں خداتعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ایک وقت تک جماعت کی باگیں اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب اسے کُھلا چھوڑ دیتا ہے۔ جب تک ہماری جماعت کی باگیں خداتعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اُس وقت تک ہماری مثال اُس گھوڑے کی سی ہے جو گاڑی میں جُتا ہوا ہو۔ جس طرف گاڑی والا گھوڑے کو پھیرے گا وہ اُسی طرف پھرے گا۔ لیکن جب وہ باگیں چھوڑ دے گا تو وہ جس طرف چاہے گا چل پڑے گا۔ چراگاہ والے گھوڑے اور گاڑی میں جُتے ہوئے گھوڑے سے ایک سا سلوک نہیں ہوتا۔ چراگاہ والا گھوڑا جہاں چاہے جاتا ہے لیکن گاڑی میں جُتا ہوا گھوڑا اپنے مالک کی مرضی پر چلتا ہے۔ اُس کا مقصد گاڑی کھینچنا ہوتا ہے اس لیے وہ سیدھا چلتا چلا جاتا ہے۔ ہماری حالت بھی اِس وقت گاڑی میں جُتے ہوئے گھوڑے کی سی ہے۔ جس طرح ایک چراگاہ والے گھوڑے کو دیکھ کر اگر گاڑی میں جُتا ہوا گھوڑا یہ چاہے کہ وہ آزاد پھرے تو یہ اُس کی بیوقوفی ہوگی۔ اِسی طرح ہماری جماعت بھی دوسری جماعتوں کو دیکھ کر ان کے پیچھے چلنا چاہے تو یہ درست نہیں ہوگا۔

جماعت کے سامنے دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ سیدھی چلتی چلی جائے اور یا وہ کوڑے کھانے کے لیے تیار رہے۔ تم جب کہتے ہو کہ ہم ایک مامور کو ماننے والے ہیں تو اِس کا یہی مطلب ہے کہ ہم ایک گاڑی میں جُتے ہوئے ہیں۔ اب اگر ایک گاڑی میں جُتا ہوا گھوڑا یہ خیال کرے کہ اُس سے چراگاہ میں چرنے والے گھوڑے کا سا سلوک ہوگا تو درست نہیں۔ اِسی طرح تمہارے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کا سا سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تمہارے ساتھ انعامات اور فضل کے وعدے ہیں وہاں کوڑوں کے بھی وعدے ہیں۔ پس تم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور اپنے اعمال کا جائزہ لو۔ جو سال ختم ہوا ہے اُسے آئندہ کے لیے نیک عزم اور نیک ارادوں کے ساتھ ختم کرو۔ اور بیشک دنیا کماؤ لیکن دین کو بھی نظر انداز نہ کرو بلکہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدّم رکھو"۔ (الفضل 18 جنوری 1955ء)

1: آل عمران: 98

2: وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ (النساء: 21)